بلاک-4

اکائی-1 عصر اموی کے سیاسی و دینی حالات

اکائی کے اجزاء

1.1 مقصد

1.2 تمہید

1.3 عصر اموی کے سیاسی حالات ایک تعارف

1.3.1 اموی خلافت کا پہلا مرحلہ

1.3.2 اموی خلافت کا دوسرا مرحلہ

1.3.3 سیاسی افراتفری اور اموی خلافت کا زوال

1.4 عصر اموی کے دینی حالات ایک تعارف

1.4.1 شیعوں کا ظہور

1.4.2 خوارج

1.4.3 معتزلہ

1.5 خلاصہ

1.6 نمونے کے امتحانی سوالات

1.7 فرہنگ

1.8 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

1.1 مقصد

اس اکائی کے ذریعہ آپ کو بنوامیہ کے عہد خلافت میں جو سیاسی اور دینی حالات تھے ان کا اندازہ ہوگا اور یہ واضح ہوگا کہ کس طرح یہ پورا عہد سیاسی اتھل پتھل اور رسہ کشی کا شکار رہا اور کس طرح مختلف مذہبی جماعتیں اس عہد میں رونما ہوئیں، اس اکائی کے ذریعہ واضح ہو جائے گا کہ بنوامیہ کے کن خلفاء نے اموی خلافت کو سیاسی استحکام بخشا اور کن خلفاء نے اسے نقصان پہنچایا، اور کس خلیفہ کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھا اور اسلامی ریاست میں کب کتنی توسیع واقع ہوئی۔

1.2 تمہید

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ان کی نرم سیاسی پالیسی کی وجہ سے فتنہ پرور عناصر کو شرانگیزی اور فتنہ پروری کا پورا موقع ملا، جس کی وجہ سے آپؓ کی خلافت کے آخری ایام میں حالات اس قدر بے قابو ہو گئے کہ خود حضرت عثمانؓ بھی اس کا شکار ہو گئے اور شہید کر دیئے گئے، حضرت عثمان کی شہادت کے بعد عالم اسلام کی سیاسی بساط دو خیموں میں تقسیم ہو گئی ایک حضرت معاویہ جن کا قبضہ شام پر تھا، اور جو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو بلا تاخیر کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کر رہے تھے، اور دوسری طرف حضرت علیؓ اور ان کی جماعت جو ابھی اس مطالبہ کو نافذ کرنے کے لئے مہلت مانگ رہے تھے، دونوں خیموں میں اختلافات بڑھتے چلے گئے، یہاں تک کہ حضرت معاویہ نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی ضد پر قائم رہے اور دونوں خیموں میں جنگ کی صورتحال بن گئی، وہیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی جماعت تھی جن کا دبدبہ حجاز کے علاقے میں قائم تھا، حضرت علی کی وفات کے بعد حالات اور بھی زیادہ مضطرب ہو گئے، ایک طرف حضرت حسینؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، تو دوسری طرف خوارج کی فتنہ انگیزیاں اپنے شباب پر پہنچ گئیں، حضرت معاویہ کے ہاتھ جب ۴۱ھ میں بیعت لی گئی تب ان کے معاندین اور حریفوں کی کوئی کمی نہیں تھی، ایک طرف شیعہ تھے تو دوسری طرف خوارج تھے، تو حجاز میں عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے حامی تھے تو وہیں جزیرۂ عرب کے مختلف علاقوں میں باغی جماعتیں بار بار بنوامیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہی تھیں، کچھ اس طرح اموی خلافت کا دور شروع ہوا، حالانکہ حضرت معاویہ اور ان کے جانشین یزید اور اس کے بعد عبدالملک بن مروان اور اس کے بیٹے الولید نے اموی خلافت کو اپنی حکمت عملی اور مستحکم سیاسی پالیسی کے ذریعہ تقویت بخشی، لیکن فتنوں اور مخالفتوں کا بازار مستقل گرم رہا۔

اگر اس عہد کے دینی حالات کی بات کریں تو مختلف جماعتیں جو دراصل سیاسی جماعتیں تھیں مگر ان کے خاص مذہبی عقائد بھی تھے سامنے آئیں اور سب نے اپنے عقائد و افکار کی نشر و اشاعت اور ترویج کے لئے ہر طرح کے وسائل استعمال کئے۔ ان جماعتوں میں شیعہ، خوارج اور معتزلہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ان میں سے ہر حمایت کے اپنے مخصوص افکار و عقائد تھے جن کا ذکر اس موضوع کے تحت آئے گا۔ اور ان میں سے ہر جماعت متعدد فرقوں میں منقسم تھی۔ ان جماعتوں اور ان کے فرقوں میں ہمیشہ رسہ کشی جاری رہتی تھی جن کے پیچھے اکثر سیاسی اسباب و محرکات کارفرما ہوتے تھے۔ اس سلسلے میں خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا نام بھی قابل ذکر ہے جن کی خلافت اپنے مذہبی رجحان اور دینی ماحول کی وجہ سے اپنی ایک الگ پہچان رکھتی ہے۔ عصر اموی کے یہ سبھی سیاسی اور دینی پہلو اس موضوع کے تحت آگے آنے والے صفحات میں زیر بحث رہیں گے۔

1.3 عصر اموی کے سیاسی حالات ایک تعارف:

اموی خلافت کا قیام ۱۷ر رمضان ۴۰ھ میں حضرت علیؓ کی شہادت اور خلافت راشدہ کے خاتمہ کے ساتھ ہوا، لیکن مؤرخین اس کی باقاعدہ شروعات اس وقت سے مانتے ہیں جب حضرت حسن بن علی نے ۲۵ر ربیع الاول ۴۱ھ میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے حق میں اپنے حق خلافت سے دست برداری کا اعلان کیا۔ تقریباً اکیانوے سال تک یہ خلافت قائم رہی، اس کا اصل اختتام الزاب کی اس فیصلہ کن جنگ پر ہوا جو ۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲ھ میں واقع ہوئی اکیانوے سال کے عرصے میں اموی خلافت پر جن چودہ خلفاء نے حکومت کی ان کا تعلق بنوامیہ کے دو خاندانوں سے تھا یا یوں کہہ لیجئے کہ دو شاخوں سے تھا، ایک سفیانی شاخ اور دوسری مروانی شاخ۔

(ا) بنوامیہ کے سفیانی خلفاء: اس شاخ سے تین خلیفہ تخت نشین ہوئے اور اس کی خلافت ۴۱ھ سے ۶۴ھ تک یعنی تقریباً ۲۴ سال تک قائم رہی۔

ا۔ معاویہ بن ابی سفیان	سنہ ۴۱ - ۶۰ھ
۲۔ یزید بن معاویہ	۶۰ - ۶۴ھ

۳۔معاویہ بن یزید (معاویۃ الثانی)　　　　　　　　　۶۴ھ

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ معاویہ بن یزید بن معاویہ یا معاویۃ الثانی کو خلیفۃ المسلمین بنایا گیا لیکن فرزندگان امت اسلامیہ کے درمیان یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد ان کی خلافت پر اتفاق نہیں تھا، لہٰذا حضرت عبداللہ بن الزبیر کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کر لی تھی، دوسری بات یہ کہ معاویہ الثانی کی خلافت محض چند مہینوں پر مشتمل تھی، جس کے بعد انہوں نے اپنی دست برداری کا اعلان کر دیا، اور حجاز وغیرہ میں حضرت زبیر کے ہاتھ پر بیعت کی گئی، اور شام میں مروان بن الحکم کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔

(۲) بنو امیہ کے مروانی خلفاء: اس شاخ سے گیارہ خلفاء نے زمام خلافت سنبھالی اور ۶۴ء سے ۱۳۲ھ تک قائم رہی۔

۱۔مروان بن الحکم	۶۴ - ۶۵ھ
۲۔عبدالملک بن مروان	۶۵ - ۸۶ھ
۳۔الولید بن عبدالملک	۸۶ - ۹۶ھ
۴۔سلیمان بن عبدالملک	۹۶ - ۹۹ھ
۵۔عمر بن عبدالعزیز بن مروان	۹۹ - ۱۰۱ھ
۶۔یزید بن عبدالملک	۱۰۱ - ۱۰۵ھ
۷۔ہشام بن عبدالملک	۱۰۵ - ۱۲۵ھ
۸۔الولید بن یزید بن عبدالملک	۱۲۵ - ۱۲۶ھ
۹۔یزید بن الولید بن عبدالملک	۱۲۶ - ۱۲۶ھ
۱۰۔ابراہیم بن الولید بن عبدالملک	۱۲۶ - ۱۲۷ھ
۱۱۔مروان بن محمد بن مروان	۱۲۷ - ۱۳۲ھ

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ ۶۴ھ سے ۷۳ھ تک کے عرصہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کو حجاز، یمن، عراق اور خراسان کے لوگوں نے خلیفۃ المسلمین تسلیم کیا تھا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، معاویہ الثانی اور مروان بن حکم کو اگر چہ بنو امیہ اپنا خلیفہ تسلیم کرتے تھے لیکن اس دور کے زیادہ تر فرزندان اسلام ان دونوں کی خلافت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

یزید کی وفات کے بعد بنو امیہ کا وجود خطرے میں پڑ چکا تھا، خلافت کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں سے تقریباً نکل چکی تھی، تبھی مروان بن حکم کی حکیمانہ مداخلت کے ذریعہ دوبارہ بنو امیہ کو سیاسی استحکام حاصل ہوا، امویوں اور زبیریوں کے علاوہ شیعہ اور خوارج جیسی سیاسی جماعتیں بھی موجود تھیں جن کا اس پورے عہد کی سیاسی رسہ کشی اور اتھل پتھل پر پورا اثر تھا بلکہ اس میں ان کا پورا ہاتھ تھا، مندرجہ ذیل فصول کے تحت ان کا ذکر بھی ضمنی طور پر آئے گا۔

1.3.1 اموی خلافت کا پہلا مرحلہ: سفیانی خلفاء کا دور

اموی خلافت کا باقاعدہ آغاز حضرت معاویہ کی تاج پوشی سے تب ہوا جب ۴۱ ھ میں ان کے ہاتھوں پر خلافت کی بیعت کی گئی، اور انھیں خلیفۃ المسلمین قرار دے دیا گیا، حالانکہ بہت سی مخالف سیاسی جماعتیں ایسی تھیں جنہوں نے انہیں بحیثیت خلیفۃ المسلمین ماننے سے انکار کر دیا تھا ان میں شیعہ، خوارج اور عبداللہ بن زبیر کے متبعین سرفہرست تھے۔

حضرت معاویہ کی پیدائش ہجرت سے اٹھارہ سال قبل ہوئی تھی، آپ اپنے والد ابو سفیان کے ساتھ غزوہ احد اور غزوہ خندق وغیرہ میں مسلمانوں کے خلاف میدانِ جنگ میں اترے تھے، حضرت معاویہ نے عام حدیبیہ کے موقع پر اسلام قبول کر لیا تھا، البتہ انہوں نے اپنے اسلام کو اپنے والد اور دیگر مشرکین مکہ سے مخفی رکھا، یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد جب اللہ کے رسول مکہ تشریف لے گئے تب قریش کے دوسرے کئی سرداروں کی طرح حضرت معاویہ نے بھی اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ قبول اسلام کے بعد آپ نے اللہ کے رسول کے ساتھ غزوۂ طائف اور غزوۂ حنین میں شرکت کی۔ بعد میں آپ مدینہ منتقل ہو گئے تھے اور وہیں آپ نے مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

حضرت معاویہ کی جنگی قیادت کا باقاعدہ آغاز خلافت راشدہ کے دور میں تب ہوا جب حضرت ابوبکر نے انھیں ایک فوج کا قائد بنا کر شام میں موجود فوج کی کمک کے طور پر بھیجا، جہاں آپ نے جنگ یرموک میں شرکت کی اور اپنے جوہر دکھائے، حضرت عمر کے دور میں قیساریہ کی جس جنگ میں رومیوں کے خلاف مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی وہ

بھی حضرت معاویہ کی ہی قیادت میں لڑی گئی تھی، ۱۸ھ میں عمواس نامی طاعون کی وبا پھیلنے سے شام میں موجود کئی قائدین لقمہَ اجل بن گئے جس کے بعد حضرت عمر نے رفتہ رفتہ بلادشام کے سبھی علاقے حضرت معاویہ کے ماتحت کر دئے۔ حضرت عثمان نے بھی خلافت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد حضرت معاویہ کو شام کے والی کے طور پر قائم رکھا۔ حضرت علی نے جب خلافت کی کمان سنبھالی تو آپ نے بہت سے والیوں کو ان کے منصب سے برطرف کر دیا، حضرت معاویہ شام کو رومیوں کے قبضے سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے منصب پر جمے رہے، اور بیعت کرنے میں ٹال مٹول کرتے رہے یہاں تک کہ خلیفہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان جنگی صورت حال پیدا ہوگئی۔

حضرت علی کی شہادت کے بعد حضرت حسن بن علی کے ہاتھ پر بیعت کی گئی، لیکن انہوں نے دست بردار ہونا پسند کیا جس کے بعد ۴۱ھ میں حضرت معاویہ کے ہاتھ پر خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے مسلمانوں نے بیعت کی۔

حضرت معاویہ کی خلافت مسلمانوں کے لئے کئی ناحیوں سے ایک اچھی خلافت ثابت ہوئی، وہ اس طرح کہ ایک طرف کئی سالوں سے جاری آپسی خانہ جنگی کافی حد تک کم ہوگئی، اور ریاست کا اندرونی سیاسی ماحول کافی حد تک پرامن اور پرسکون ہوگیا، جس کا سیدھا فائدہ یہ ہوا کہ فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھا اور دشمن طاقتوں کو قابو میں کرنے میں کافی مدد ملی چنانچہ رومیوں پر مسلم فوجوں نے ایسا شکنجہ کسا کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔

حضرت معاویہ نے امت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو جمع کرنے کی سنجیدہ کوشش کی، اور مخالفین کے خیموں کی طرف بھی دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور اپنے حریفوں کے ساتھ بھی محبت سے پیش آئے چنانچہ حضرت حسن بن علی کے مطالبات کو پورا کیا، حضرت عبداللہ بن عباس کو امان دی اور قیس بن سعد جنھوں نے حضرت علی کی شہادت کے بعد حضرت معاویہ کے خلاف اعلان جنگ کیا تھا ان کو بھی معاف فرمایا اور انہیں امان دی، بالآخران سب نے حضرت معاویہ کی اطاعت وفرماں برداری کو قبول کیا، ایسے ہی زیادہ بن ابیہ بھی حضرت علی کے مقربین میں سے تھا اور ان کی طرف سے خراسان کا والی تھا، لہٰذا جب حضرت علی کی شہادت واقع ہوئی تو زیاد نے خراسان میں خود کو نظر بند کرنا پسند کیا، لیکن حضرت معاویہ نے اس کو بھی محبت کا پیغام بھیجا اور بالآخر اس نے حضرت معاویہ کی درخواست کو قبول کیا اور حاضر ہوا اور حضرت معاویہ نے اسے پھر سے والی بنا کر انعام واکرام سے نوازا۔ یہ تھی حضرت معاویہ کی سیاسی پالیسی جس کے تحت وہ سب کو اپنے ساتھ لے کر چلنا چاہتے تھے، دشمنان اسلام سے مقابلہ کرنا اور انہیں شکست دینا ان کا اصل مطمح نظر تھا، اس لئے انہوں نے آپسی مصلحت پسندی کو ترجیح دی اور اس کے لئے جو بھی کر سکتے تھے وہ کیا۔

اس دور میں موجود تقریباً سبھی جلیل القدر صحابہ کرام جیسے عبادہ بن صامت، ابوایوب انصاری، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو، شداد بن اوس وغیرہ حضرت امیر معاویہ کے ساتھ تھے اور ان کے قدم سے قدم ملا کر راہِ جہاد میں شریک ہوئے اور اپنی برکتوں سے دشمنوں کے بے شمار قلعے فتح کئے۔

بعض صحابہ ضرور ایسے تھے جو حضرت معاویہ کی ان سیاسی پالیسیوں سے اتفاق نہیں رکھتے تھے لیکن ان کی تعداد برائے نام تھی، البتہ خوارج کی ایک بڑی تعداد تھی جو اپنے موقف کو پوری طرح ظاہر نہیں کرتے تھے، اور موقع دیکھتے ہی بلوہ اور فساد پھیلانے کی کوشش کرتے تھے۔ انہوں نے ضرور خلیفہ کے خلاف اپنی آواز بلند کی تھی لیکن مجموعی طور پر خلیفہ کے حامیوں کے مقابلہ میں ان خوارج کی تعداد کم تھی اور سیاسی طور پر غیر مؤثر تھی، ان کے اصل مراکز کوفہ اور بصرہ کے شہر تھے، یہی وجہ ہے کہ خلیفہ یعنی حضرت معاویہ کی طرف سے ان دونوں شہروں پر متعین کردہ والی نہایت سخت گیر ہوا کرتے تھے یا یوں کہئے کہ وہ اس قسم کے متمرد لوگوں کو قابو میں کرنے کے لئے سختی سے پیش آنے پر مجبور تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت معاویہ کے دور میں ان کے خلاف جو سیاسی مورچہ قائم ہوا تھا اس کا اصل مرکز عراق کا علاقہ تھا تو شاید یہ بات غلط نہیں ہوگی۔

حضرت معاویہ کی کچھ سیاسی پالیسیاں مورخین کی تنقید کا نشانہ ضرور بنیں اور خاص طور سے جب انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا تو اس کے خلاف کئی صحابہ نے بھی آواز اٹھائی، بہر حال امیر معاویہ سے بحیثیت ایک انسان جو بھی سیاسی وغیر سیاسی چوک یا خطا ہوئی اس سے قطع ان کا عہد خلافت ایک مثالی عہد خلافت تھا، جس میں ایک طرف اتحاد امت کی سعی وکوشش کی بہترین مثال بھی ملتی ہے تو وہیں فتوحات کی پیش قدمی اور مسلمانوں کی مجموعی خوشحالی بھی قابل ستائش اور ناقابل فراموش ہے۔

حضرت معاویہ کی خلافت کے دوران عالم اسلام بنیادی طور پر پانچ ولایتوں یا حصوں میں تقسیم تھا:

(۱) شام۔ جس کے والی وہ خود تھے، یہ علاقہ شروع سے ہی خلیفہ کی حمایت میں ہمیشہ پیش پیش رہا۔

(۲) کوفہ۔ یہ مخالفین کا مرکز تھا بطور خاص خوارج کا گڑھ تھا، یمامہ کا علاقہ اس کے ماتحت تھا۔

(۳) بصرہ۔ مشرق میں ہونے والی فتوحات پر یہیں سے نظر رکھی جاتی تھی، بلاد فارس، خراسان اور سجستان وغیرہ بصرہ کے ماتحت تھے، بعد میں عمان اور بحرین کو بھی اس کے ماتحت کر دیا گیا تھا۔

(۴) خراسان۔ اکثر یہ بصرہ کے ماتحت رہا، اس کے امیر کا تعین بصرہ کے والی خود کیا کرتے تھے۔

(۵) [illegible] یہاں پر صحابہ کرام کی بڑی تعداد مقیم تھی

(۶) مصر۔حضرت عمر کے زمانے میں مصر حضرت عمرو بن العاص کے ماتحت تھا،حضرت معاویہ کے عہد میں دوبارہ سے مصر کی ولایت ان کے سپرد کی گئی۔

حضرت معاویہ کے دورخلافت میں فتوحات کے سلسلے میں جو وسعت ہوئی وہ یقیناً اس عہد کی ایک اہم خوبی ہے۔مغرب ومشرق دونوں ہی طرف فتوحات کا سلسلہ جاری رہا،مسلم فوجوں نے سلطنت روم کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور سمندری طاقت میں اپنی جگہ بنائی۔

حضرت معاویہ نے ایک مضبوط بحری بیڑہ تیار کرنے کی طرف خاص توجہ دی،شمال کی طرف اناضول میں طوروس کے پہاڑوں میں رومیوں سے مقابلے کے لئے حضرت معاویہ نے گرمی اور جاڑے کی الگ الگ فوجیں تیار کیں جو باری باری وہاں جاکر لڑا کرتی تھیں،حضرت معاویہ نے رومیوں کے مرکز قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کے لئے کئی بار فوج بھیجی اگرچہ مسلم فوج کو اس میں فتح نصیب نہ ہوسکی۔

یزید بن معاویہ کا عہد خلافت:

حضرت معاویہ نے اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کردیا تھا،حضرت معاویہ کی وفات کے بعد امت کے سواد اعظم نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کرلی،البتہ حجاز میں کچھ لوگوں نے بیعت کرنے سے انکار کردیا جن میں الحسین بن علی،عبدالرحمٰن بن ابوبکر،عبداللہ بن عمر،عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباس وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

یزید کی پیدائش ۲۳ھ میں حضرت عثمان کے دورخلافت میں ہوئی تھی،بچپنہ کھیل کود اور ناز ونعم میں گزرا،۲۴ سال کی عمر میں حضرت معاویہ نے یزید کو فتح قسطنطنیہ کی مہم پر روانہ کیا۔مذکورہ حضرات کو چھوڑ کر مفتوحہ اسلامی علاقوں کے تقریباً سبھی امراء وعوام نے یزید کی خلافت کو تسلیم کرلیا تھا،یزید کی متواتر سعی وکوشش کے بعد عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس بھی بیعت لینے پر تیار ہوگئے لیکن عبداللہ بن زبیر اور حضرت حسین اس پر راضی نہ ہوئے اور ان دونوں نے مکہ میں پناہ لے لی۔

سیاسی اعتبار سے یزید کا عہد خلافت بہت افراتفری اور اتھل پتھل کا دور رہا،جب حضرت حسین نے مکہ میں سکونت اختیار کی تب اہل کوفہ نے ان سے مراسلت کی اور ان کے نام خطوط بھیج کر انھیں کوفہ آنے کی دعوت دی،اور انھیں اپنی حمایت کا یقین دلایا،حضرت حسین نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا تاکہ وہ وہاں جاکر معاملہ کی حقیقت کا پتہ لگا سکے،جب مسلم بن عقیل وہاں پہنچے تو کوفہ کے بارہ ہزار لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور کوفہ کے عامل نعمان بن بشیر کو برطرف کردیا،اور کوفہ کو بصرہ کے عامل عبیداللہ بن زیاد کے تحت کردیا گیا۔مسلم بن عقیل نے حضرت حسین کو کوفہ کے لئے روانہ ہونے کا مشورہ دیا،لیکن کچھ دنوں بعد ہی اہل کوفہ نے مسلم بن عقیل کا ساتھ چھوڑ دیا اور بالآخر انھیں قتل کردیا گیا۔حضرت حسین کے کئی خیرخواہوں نے انھیں اپنا ارادہ بدلنے کا مشورہ دیا لیکن وہ اپنے عزم پر قائم رہے اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے،کہا جاتا ہے کہ ان کے ساتھ ان کے کچھ متبعین بھی تھے جن کی تعداد تقریباً ۸۰ تھی،جب حضرت حسین اپنے اس مختصر سے قافلے کے ساتھ کربلا نامی مقام پر پہنچے تو کوفہ کے والی عبیداللہ بن زیاد نے ایک لشکر روانہ کیا اور حضرت حسین کا محاصرہ کیا،تب حضرت حسین نے کچھ شرطوں کے ساتھ ان سے امان مانگی،لیکن لشکر کے قائد نے ان کی سبھی شرطوں کو ٹھکرادیا اور ان پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا،جانبین میں سخت مقابلہ ہوا،بالآخر حضرت حسین نے جام شہادت نوش کیا،ان کے اہل خانہ اور ان کے متبعین نے بھی ان کا ساتھ دیتے ہوئے اپنی جانوں کو ان کے اوپر قربان کردیا،یہ واقعہ کربلا کے نام سے مشہور ہوا،اور ۱۰ رمحرم ۶۱ ھ میں واقع ہوا،اس دل سوز واقعہ سے پوری امت اسلامیہ غم والم سے کراہ اٹھی اور بطور خاص حجاز میں یزید کے خلاف غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی،اس واقعہ کے بعد اہل مدینہ نے یزید کی بیعت سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا،ان پر شکنجہ کسنے کے لئے یزید نے ایک لشکر بھیجا جس نے مدینہ میں خوب قتل وغارت گری مچائی،پھر ان لوگوں نے مکہ کا رخ کیا اور تقریباً دو مہینے تک اس کا محاصرہ کیا اور خانۂ کعبہ وغیرہ کو بھی کافی نقصان پہنچایا،اہل مکہ نے عبداللہ بن زبیر کی قیادت میں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا،اس درمیان یزید کی وفات ہوگئی،اور اس کی فوج نے واپسی کا راستہ اختیار کیا۔

1.3.2 اموی خلافت کا دوسرا مرحلہ: مروانی خلفاء کا دور

۶۴ھ میں یزید کی وفات کے بعد خلافت کو لے کر ایک طرح کی رسہ کشی شروع ہوگئی،یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ خلیفہ بنا،مگر وہ ایک متقی اور دیندار انسان تھا اور بنوہاشم کے تئیں ہمدردی رکھتا تھا،اس لئے اس کی خلافت چالیس دن سے زیادہ نہ چل سکی،اس نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ بھی مقرر نہیں کیا،کچھ ہی دنوں بعد اس کا انتقال ہوگیا،اب خلافت کے مسئلہ پر پوری امت دو خیموں میں بٹ گئی،ایک طرف عبداللہ بن زبیر تھے جنھیں اہل حجاز کی حمایت حاصل تھی،چنانچہ یزید کی وفات کے بعد سب سے پہلے اہل حجاز نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی پھر عراق ایران مصر اور یمن کے مسلمانوں نے بھی ان کو اپنا خلیفہ تسلیم کرلیا اور ان کے ہاتھ پر ۶۴ ھ میں بیعت کرلی،تو وہیں دوسری طرف اہل شام تھے جنھوں نے مروان بن الحکم کو اپنا خلیفہ تسلیم کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی،مروان کی خلافت صرف ایک سال ہی قائم رہی لیکن اسی دوران مروان نے شام کے ساتھ ساتھ مصر کو اموی خلافت کے زیر نگیں کرلیا اور ڈگمگاتی ہوئی اموی خلافت کو بچالیا،مروان نے اپنی وفات سے پہلے اپنے بیٹے عبدالملک اور عبدالعزیز کو یکے بعد دیگرے خلیفہ بننے کی بیعت لوگوں

سے لی اور بالآخر ۶۵ھ میں دمشق میں اس کی وفات ہوئی۔

عبدالملک بن مروان کا عہد خلافت: (۶۵ھ تا ۸۶ھ)

عبدالملک بن مروان کی پیدائش ۲۶ھ میں مدینہ میں ہوئی تھی اور وہیں ان کی تعلیم وتربیت ہوئی، عبدالملک نے سب سے پہلے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے فتنوں کو فرو کرنے کی طرف توجہ دی اور حالات کو قابو میں کرنے کی کوشش کی، عبدالملک نے اس سخت کام کو اپنی حکمت عملی سے بخوبی انجام دیا، اور اسی وجہ سے اس کو اموی خلافت کے مؤسس ثانی کے لقب سے نوازا گیا۔

بلاد شام اور مصر پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے بعد عبدالملک کے سامنے ایک طرف وہ علاقے تھے جو عبداللہ بن زبیر کے ماتحت تھے، تو دوسری طرف شمالی افریقہ کی بربر قوم اور عراق میں خوارج اور شیعوں کے گروہ تھے جنھیں قابو میں کرنا تھا، وہیں مختار الثقفی جیسے کچھ باغی بھی تھے جو جنگی اعتبار سے بہت مضبوط تھے، لیکن مختار اور عبداللہ بن زبیر کی فوجوں میں زبردست مقابلہ ہوا جس میں مختار قتل کیا گیا، عبدالملک نے ایک لشکر جرار کوفہ روانہ کیا جس نے عبداللہ بن زبیر کے بھائی مصعب بن زبیر اور باغیوں کی جماعت کو شکست دے کر کوفہ اور عراق کے دیگر علاقوں کو اموی خلافت کے زیرنگیں کر دیا، ساتھ ہی عبدالملک نے خوارج کو بھی زبردست ٹکر دے کر انہیں بھی زیر کر دیا۔

اب عبدالملک کے سامنے سب سے بڑے حریف کی شکل میں عبداللہ بن زبیر تھے، جن کی خلافت حجاز میں اب بھی قائم تھی، ان کو زیر کرنے کے لئے عبدالملک نے اپنے کمانڈر حجاج بن یوسف کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا جس نے مکہ پر چڑھائی کر دی اور منجنیقوں سے حملہ کر دیا، جس کے نتیجہ میں بہت زیادہ جانی ومالی نقصان ہوا اور کعبہ شریف بھی اس میں محفوظ نہ رہ سکا۔ عبداللہ بن زبیر نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، بالآخر ۷۳ھ میں آپ نے جام شہادت نوش کیا، عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے ساتھ ہی عبدالملک بن مروان کو سبھی بلاد اسلامیہ کا واحد خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔

عبدالملک نے حجاج کو انعام کے طور پر پورے عراق کا والی مقرر کر دیا جس کے بعد حجاج نے عراق میں جو بھی فتنے اور بغاوتیں تھیں انھیں فرو کر کے اموی خلافت کی بنیادوں کو اور مضبوط کر دیا۔ ابھی کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ حجاج بن یوسف کے ہی ایک کمانڈر عبدالرحمٰن بن الأشعث نے بغاوت کر دی اور کوفہ وبصرہ پر قبضہ کر لیا، لیکن عبدالملک کی بھیجی ہوئی فوجی کمک کے ذریعہ حجاج نے ابن الأشعث کو شکست دے کر دوبارہ عراق پر اپنا قبضہ بحال کیا اور ابن الأشعث قتل کیا گیا۔ بربر قوم کو بھی قابو میں کرنے میں کچھ وقت لگا اور سخت مقابلے کا سامنا کرنا پڑا، لیکن پہلی صدی ہجری کی آٹھویں اور نویں دہائی میں ان کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا اور علاقے میں امن وامان قائم ہو گیا۔

عبدالملک بن مروان کا عہد اس اعتبار سے بھی اہم تھا کہ اسی عہد میں اموی خلافت کو سیاسی استحکام نصیب ہوا اور اس کی بنیادیں اور مضبوط اور پختہ ہو گئیں، وہیں یہ عہد کئی انتظامی اصلاحات کی وجہ سے بھی ممتاز ہے بطور خاص سرکاری کام کاج کے لئے عربی کو لازمی قرار دینا اور نئے سکوں کو چلوانا اور بیت المقدس میں قبۃ الصخرۃ کی تعمیر کرنا وغیرہ۔

عبدالملک نے ۸۶ھ میں اپنی وفات سے قبل بالترتیب اپنے بیٹے الولید اور سلیمان کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا۔

الولید بن عبدالملک کا عہد خلافت: (۸۶ھ تا ۹۶ھ)

ولید نے اپنے والد کی وفات کے بعد ۸۶ھ میں خلافت کی باگ ڈور سنبھالی، ولید کا عہد خلافت اسلامی فتوحات اور امن وامان کا دور کہلاتا ہے، عبدالملک نے اپنے عہد میں چھوٹے بڑے تقریباً سبھی فتنوں کا قلع قمع کر دیا تھا، اس لئے ولید کو داخلی مسائل کا زیادہ سامنا نہیں کرنا پڑا اور اس نے فتوحات پر پوری توجہ دی، ولید کے عہد خلافت میں بلاد اسلامیہ کی وسعتوں میں اس قدر اضافہ ہوا کہ اس کی سرحدیں سندھ اور چین کی سرحدوں سے لے کر مغربی افریقہ اور جنوبی یورپ تک پھیل گئیں۔

ولید کے عہد میں مشرق کی جانب سندھ اور ترکستان کے وسیع وعریض علاقے فتح کئے گئے، ایک طرف عراق کے والی حجاج بن یوسف کے قائد اور خراسان کے والی قتیبہ بن مسلم کی قائدانہ صلاحیتوں کی بدولت ترکستان خوارزم اور سمرقند جیسے علاقوں پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا، تو دوسری طرف حجاج کے ہی ایک دوسرے قائد محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کر کے ہندوستان کی طرف پیش قدمی کی۔ اور ۸۹ھ میں دیبل (حالیہ کراچی) کو فتح کر لیا، اور کچھ ہی دنوں بعد سندھ کے راجہ داہر کو شکست دے کر وہاں بھی اسلامی پرچم نصب کر دیا، ان فتوحات کے بعد سندھ اور ترکستان کے ان سبھی مفتوحہ علاقوں میں زیادہ تر لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

فتح اندلس:

ایک طرف جہاں قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم مشرق میں یکے بعد دیگرے مختلف علاقے فتح کرتے چلے جا رہے تھے، وہیں دوسری طرف مغرب کی جانب اموی لشکر کے قائد موسیٰ بن نصیر اپنی قائدانہ صلاحیتوں کے جوہر دکھا رہے تھے، موسی بن نصیر نے طارق بن زیاد کو جو طنجہ کے امیر تھے، بربر مسلمانوں پر مشتمل ایک لشکر کا قائد بنا کر فتح اندلس کے لئے روانہ کر دیا، طارق بن زیاد نے ۹۲ھ میں سبتہ نامی مقام سے سمندر کو پار کر کے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ اندلس کی سرزمین پر قدم رکھا، یہ واقعہ مشہور ہے کہ طارق نے ان کشتیوں کو جلوا دیا تھا جن پر سوار ہو کر اس کی فوج نے سمندر پار کیا تھا تاکہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے کی سوچ بھی نہ سکیں، اندلس پہنچ کر جس پہاڑ پر اس فوج نے اپنا پڑاؤ ڈالا تھا وہ جبل

طارق (Jibraitar) کے نام سے مشہور ہوا۔

اس موقع پر طارق بن زیاد نے اپنا وہ مشہور فصیح و بلیغ اور پر جوش خطبہ دیا تھا جو تاریخ اور ادب کی کتابوں میں مذکور ہے، طارق بن زیاد کے بہادر سپہ سالاروں اور فوجیوں نے اسپین کے عیسائی بادشاہ لذریق (رودریک) کو زبردست ٹکر دی، سات دن تک گھمسان جنگ جاری رہی، آخر کار آٹھویں دن مسلمانوں نے یہ جنگ جیت لی۔ رودریک میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور غرقاب ہو کر مر گیا، تاریخ میں یہ معرکہ معرکۂ شریش کے نام سے جانا جاتا ہے، پھر طارق بن زیاد نے اسپین کے دارالسلطنت طلیطلہ کو فتح کیا اور پھر قرطبہ اور اشبیلیہ نامی شہروں کو فتح کر لیا، اس طرح پانچ مہینوں سے بھی کم عرصے میں اندلس کی سرزمین پر مسلمانوں نے اپنی فتح کا پرچم نصب کر دیا۔

سلیمان بن عبدالملک کا عہد خلافت: (۹۶ھ تا ۹۹ھ)

ولید بن عبدالملک کی وفات کے بعد اس کا بھائی سلیمان مسند خلافت پر ۹۶ھ میں بیٹھا، سلیمان کے عہد خلافت کی شروعات ہی جس طرح کی سیاسی پالیسی کے ساتھ ہوئی وہ خلافت کے لئے نقصان دہ ثابت ہونے والی تھی، سلیمان نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی سب سے پہلے ان قائدین اور والیوں کو برطرف کر دیا جنہوں نے ولید کے عہد میں مشرق و مغرب میں وسیع و عریض علاقے فتح کئے تھے۔

سلیمان نے نہ صرف انہیں اپنے عہدوں سے برطرف کیا بلکہ انہیں سزائیں تک دیں، ان میں بطور خاص محمد بن قاسم، قتیبہ بن مسلم، موسی بن نصیر اور طارق بن زیاد قابل ذکر ہیں۔

سلیمان کے عہد کے اہم کارناموں میں فتح قسطنطنیہ کی وہ کوشش تھی جو کامیابی سے ہم کنار ہوتے ہوتے صرف اس لئے رہ گئی کہ سلیمان جو خود مسلم لشکر کی مدد کے لئے زبردست کمک لے کر قسطنطنیہ کی طرف نکلا تھا وہ راستے میں سخت بیماری کا شکار ہو گیا اور مسلم لشکر نے قسطنطنیہ کا جو محاصرہ کیا تھا وہ ختم کر کے واپس آنا پڑا، سلیمان نے اپنے چچازاد بھائی عمر بن عبدالعزیز کو اپنا ولی عہد مقرر کیا، اور ۹۹ھ میں وفات پائی۔

صالح خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا عہد خلافت: (۹۹ھ تا ۱۰۱ھ)

عمر بن عبدالعزیز ایک متقی اور صالح انسان تھے، شریعت کا وسیع علم رکھتے تھے اور اپنے اعلیٰ اخلاق کے لئے لوگوں میں جانے جاتے تھے، مدینہ کے علماء وفقہاء سے انہوں نے شریعت کا علم حاصل کیا تھا، ادب اور دیگر علوم میں بھی اچھی دسترس حاصل تھی، سیرت اور اخلاق کے اعتبار سے آپ کو بنو امیہ کا سب سے بہترین خلیفہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ نہایت سادہ مزاج اور بہت انصاف پسند انسان تھے، جو والی رعایا پر ظلم کرتے تھے اور بدعنوانی کا شکار تھے آپ انہیں برطرف کر دیا کرتے تھے، امت مسلمہ میں اتحاد کی فضا قائم کرنے کی غرض سے آپ شیعوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آئے اور انصاف کا معاملہ کرنے کا حکم دیا۔ بنو امیہ کے پچھلے خلفاء نے جو غیر ضروری ٹیکس لگا رکھے تھے ان کو ختم کیا، جن لوگوں کی زمینوں پر قبضے کر لئے گئے تھے انہیں ان کی زمینیں واپس لوٹائی گئیں، والیوں کو یہ حکم دیا گیا کہ کوئی سخت سزا خلیفہ سے مشورہ کئے بغیر نافذ نہ کی جائے، اس طرح سے اس عہد میں ظلم و ستم کا خاتمہ ہوا اور امن وامان کو دور دورہ ہوا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلافت کے داخلی امور کی طرف توجہ دی اور ان کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی جس کی وجہ سے فتوحات کا سلسلہ اس عہد میں کچھ خاص آگے نہ بڑھ سکا۔ ۱۰۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

ہشام بن عبدالملک کا عہد خلافت:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد سلیمان بن عبدالملک کی وصیت کے مطابق یزید بن عبدالملک خلافت پر بیٹھا، یہ ایک کمزور اور عیاش قسم کا انسان تھا، سیاسی اعتبار سے ناتجربہ کار اور ناعاقبت اندیش تھا، چنانچہ عمر بن عبدالعزیز اور دیگر سابق خلفاء نے جس طرح سے خلافت کو سیاسی سطح پر مضبوط کیا تھا یزید بن عبدالملک کے دور میں اسے اتنا ہی نقصان لاحق ہوا، اس کا دور خلافت تقریباً چار سال تک قائم رہا، اس کے بعد اس کا بھائی ہشام بن عبدالملک خلیفہ بنایا گیا، ہشام نے اپنے بھائی اور سابق خلیفہ یزید کی نااہلی کی وجہ سے ہونے والے نقصان کی بھرپائی کرنے کی کوشش کی جو کچھ حد تک کامیاب بھی ثابت ہوئی، فتوحات کا سلسلہ بھی پھر سے شروع ہوا اور کئی رومی شہر فتح کئے گئے۔ وہیں دوسری طرف ترکوں نے مفتوحہ علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو اسد بن عبداللہ القسری کی قیادت میں ترکوں کو زیر کیا گیا، اور سمرقند و بخاریٰ کو دوبارہ فتح کیا گیا، شمالی افریقہ میں بھی بربر قبائل نے علم بغاوت بلند کیا، لیکن مسلم لشکر کی بہادری اور جانبازی کی وجہ سے اس بغاوت کو فرو کر دیا گیا اور قیروان اور طنجہ شہر پھر سے فتح کر لئے گئے۔ یہ فتوحات ہشام کی سیاسی حکمت عملی کا ہی نتیجہ تھیں۔

1.3.3 سیاسی افراتفری اور اموی خلافت کا زوال

ہشام بن عبدالملک کے بعد بہت تیزی کے ساتھ اموی خلافت روبہ زوال ہوگئی، سیاسی انتشار اور افراتفری ہر طرف عام ہوگئی، اس کے بعد تقریباً سات سالوں میں چار خلیفہ مسند خلافت پر بیٹھے جو سب نااہل اور غیر ذمہ دار ثابت ہوئے۔ ہشام کے بعد اس کا بھتیجا ولید بن یزید خلیفہ بنا جو ایک نہایت لاپرواہ اور نااہل قسم کا خلیفہ ثابت ہوا، ایک سال تین ماہ خلافت کے عہدے پر قائم رہنے کے بعد اپنے ہی چچا زاد بھائی یزید بن ولید کے ہاتھوں قتل کیا گیا، یزید بن ولید ایک نیک طینت انسان تھا لیکن صرف چھ ماہ بعد طاعون کے مرض میں مبتلا ہو کر لقمۂ اجل بن گیا، اور اس کے بعد اس کا بھائی ابراہیم بن ولید خلیفہ بنا، لیکن مروان بن محمد جو آذربائیجان اور ارمینیا کا والی تھا اس نے ابراہیم کے خلاف بغاوت کر دی اور ابراہیم کو شکست دے کر مرکز خلافت پر قبضہ کر لیا، ابراہیم بھاگنے پر مجبور ہوا اور بالآخر اپنی شکست تسلیم کر کے مروان کے ہاتھ پر بیعت کر لی، مروان نے ۱۲۷ھ میں خلافت کی ذمہ داری سنبھالی۔ مروان کا پورا عہد مختلف بغاوتوں اور فتنوں کو فرو کرنے میں ہی نکل گیا، خود بنوامیہ کے کئی امراء اس کے خلاف اعلان بغاوت کر چکے تھے، ابھی مروان ان فتنوں سے نبٹنے کی کوشش میں ہی لگا ہوا تھا اور پوری خلافت سیاسی انتشار اور افراتفری سے دوچار تھی کہ اسی دوران ابومسلم الخراسانی کی قیادت میں عباسی خلافت کے قیام کی کوششیں تیز ہوگئیں، اموی خلافت کے خاتمے اور عباسی خلافت کے قیام کا بگل اب بج چکا تھا، مروان نے فوراً عباسیوں کے سردار ابراہیم کو گرفتار کر لیا، ابراہیم نے گرفتاری سے قبل اپنے بھائی ابوالعباس السفاح کو قیادت کی ذمہ داری سونپی، ابومسلم الخراسانی اور اموی افواج کے درمیان مقابلہ جاری رہا جس میں خراسانی کو کامیابی ہاتھ لگی، آہستہ آہستہ کوفہ بھی اس کے قبضے میں آ گیا، خلیفہ مروان نے ایک زبردست لشکر کے ساتھ عباسیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے عراق کا رخ کیا، اور موصل سے تقریباً ۱۲۵ کلومیٹر کی دوری پر نہر زاب کے کنارے دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں اموی فوج کو شکست اور عباسیوں کو فتح نصیب ہوئی، اس طرح اموی خلافت کا خاتمہ ہوا اور عباسی خلافت کے نام سے ایک نئی خلافت وجود میں آئی۔

1.4 عصر اموی کے دینی حالات ایک تعارف

اللہ کے رسولؐ کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ مقرر ہوئے تب امت کو جو بڑے مسائل درپیش تھے ان میں ایک بڑا مسئلہ ارتداد کا تھا، یعنی بہت سے مسلمانوں نے آپؐ کی وفات کے بعد زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا، حضرت ابوبکر کو ان کے خلاف سخت کاروائی بھی کرنی پڑی تب کہیں جا کر یہ مسئلہ قابو میں آیا، تو وہیں دوسری طرف منافقین کی جماعت تھی جن میں عبداللہ بن سبا جیسے یہودی بھی شامل تھے جو آپؐ کی زندگی میں بھی ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں رچتے رہے اور آپؐ کی وفات کے بعد ان منافقین نے انتشار اور بدامنی پیدا کرنے اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کو راہ راست سے بھٹکانے کے لئے اور بھی نئے نئے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کر دئے، ان لوگوں نے ہمیشہ دین کا سہارا لے کر ماحول کو خراب کرنے اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی، حضرت عثمان کی شہادت ہو یا حضرت علیؓ کی شہادت ہو یا واقعۂ کربلا ہو ان سب کے پیچھے انہی منافقوں اور یہودیوں کا ہاتھ تھا۔

جب اموی خلافت قائم ہوئی اس وقت مسلمانوں کے درمیان دو مذہبی جماعتیں وجود میں آ چکی تھیں ایک شیعہ اور دوسری خوارج حالانکہ ان کے قیام کا اصل سبب سیاسی تھا، اور سیاسی اغراض و مقاصد کے تحت ہی یہ جماعتیں وجود میں آئی تھیں، لیکن ان دونوں کے اپنے اپنے مذہبی عقائد و افکار تھے جن کی بنیاد پر وہ اپنی پالیسیاں اور اپنے منصوبے تیار کرتے تھے، یا یوں کہہ لیجئے کہ مذہب کی آڑ میں ہی یہ جماعتیں اپنے سیاسی و غیر سیاسی مقاصد کو حاصل کرنا چاہتی تھیں، (بعد میں ہر جماعت سے بہت سے فرقے پیدا ہوگئے، جن میں سے ہر ایک کے اپنے مخصوص عقائد و افکار تھے، کچھ تو تادیر باقی رہے، جب کہ کچھ جلد ہی روبہ زوال ہوگئے) ان دو جماعتوں کے علاوہ اموی دور میں ایک اور جماعت مذہبی رنگ میں سامنے آئی اور وہ تھی معتزلہ کی جماعت۔ ان سبھی جماعتوں اور اس عہد سے جڑے کچھ دیگر مذہبی پہلوؤں پر اس موضوع کے تحت گفتگو کی جائے گی۔

1.4.1 شیعوں کا ظہور

اللہ کے رسولؐ کی وفات کے بعد جو مذہبی مکاتب فکر نمودار ہوئے ان میں سب سے قدیم شیعہ مکتب فکر ہے، حضرت عثمان کی عہد خلافت میں ہی اس جماعت کا ظہور ہو گیا تھا، پھر حضرت علی کے عہد خلافت میں اس کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا اور ہزاروں لاکھوں فرزندگان اسلام اس جماعت سے منسلک ہوگئے، اس جماعت کے عقائد کی اصل بنیاد حضرت علی سے بے پناہ محبت اور لگاؤ تھا لیکن شروع سے ہی اس محبت و عقیدت نے غلو کا اس قدر غلبہ پایا کہ بہت سے شیعہ فرقے سبھی حدود کو تجاوز کرتے ہوئے حضرت علی کو

الوہیت تک کا درجہ دے بیٹھے۔

ان کے عقائد کی اصل بنیاد یہ تھی کہ امامت اور خلافت اسلام کا ایک اہم رکن ہے اس لئے یہ نہیں ہوسکتا کہ نبی نے اپنا خلیفہ مقرر نہ کیا ہو چنانچہ اللہ کے رسول نے حضرت علی کو ہی اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کیا تھا، اس کے علاوہ شیعہ حضرت علی کو تمام دیگر صحابہ سے افضل مانتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ اس مکتب فکر کی شروعات حضرت علی کے تئیں حد سے زیادہ عقیدت و احترام سے ہوئی، حالانکہ حضرت علی نے خود اس طرح کے رجحانات کی کبھی تشجیع نہیں کی۔ آپؓ کی وفات کے بعد آپ کے متبعین نے آپ کی اعلاء شان میں غلو سے کام لینا شروع کر دیا، اور کچھ فرقے حد سے تجاوز بھی کرنے لگے، اس جماعت کی مقبولیت کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ حضرت معاویہ نے اپنے عہد میں ایک نیا طریقہ یہ شروع کیا کہ ہر خطبہ کے بعد حضرت علیؓ کو لعن طعن کیا جائے اس سے شیعوں کے جذبات مجروح ہوئے، کئی صحابہ نے حضرت معاویہ کو ایسا کرنے سے منع بھی کیا لیکن وہ نہ مانے، یہ سلسلہ بعد کے خلفاء کے عہد میں بھی جاری رہا یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس پر روک لگائی، اس کے علاوہ بنوامیہ کے عہد میں حضرت حسین کی شہادت ہوئی اس سے بھی شیعوں کے تئیں لوگوں کی ہمدردی میں اضافہ ہوا، بنوامیہ کی ان زیادتیوں کی وجہ سے ان کے تئیں صحابہ اور دیگر بہت سے لوگوں میں ایک طرح کا غصہ پیدا ہو گیا اور شیعوں کے قدم آہستہ آہستہ مضبوط ہوتے چلے گئے، ان کا اصل مرکز دراصل عراق تھا، ایک تو اس لئے کہ حضرت علی نے آخری ایام میں وہیں سکونت اختیار کی اور اس کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا چنانچہ اہل عراق نے حضرت علی کے فضل و کرم کو بہت قریب سے دیکھا، اس کے بعد اہل عراق نے کبھی بھی اخلاص کے ساتھ بنوامیہ کی تائید و حمایت نہیں کی جس کے پاداش میں انھیں بنوامیہ کے غیظ و غضب کا شکار بھی ہونا پڑا، کبھی عبیداللہ بن زیاد، کبھی زیاد بن ابیہ اور کبھی حجاج بن یوسف جیسے سخت گیر قسم کے قائدین ان پر مسلط کئے گئے، شاید اسی کا ردعمل تھا کہ اہل عراق بنوامیہ کے آخری ایام میں شیعیت کے سب سے اہم مرکز کے طور پر ابھر کر سامنے آیا، اموی دور میں جو سب سے اہم دینی تبدیلی واقع ہوئی وہ دراصل تشیع کا ظہور اور اس کا ارتقا تھا۔ اس عہد میں شیعیت میں کئی فرقے وجود میں آئے جن میں سے ہر فرقے کے اپنے عقائد تھے، ان میں کچھ اہم فرقوں کا یہاں اختصار کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔

السبئیہ:

یہ عبداللہ بن سبأ کے متبعین کی جماعت ہے جو ایک یہودی تھا اور قبول اسلام کا دعوی کرتا تھا، حضرت عثمان اور ان کی خلافت کے خلاف اس نے ایک مہم چھیڑ رکھی تھی، اس نے حضرت علی کو پہلے اللہ کے رسول کا وصی قرار دیا اور پھر آپؓ کو خدا تک کا درجہ دے بیٹھا، حضرت علی کی وفات کو بھی یہ آپؓ کی وفات تسلیم نہیں کرتا تھا بلکہ اس کا ماننا تھا کہ آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا ہے جیسے حضرت عیسیٰ کو اٹھا لیا گیا تھا، ان میں سے بعض کا یہ بھی ماننا ہے کہ اللہ کی ذات حضرت علیؓ اور باقی ائمہ کی ذات میں حلول کر گئی تھی۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

الغرابیہ:

یہ بھی شیعوں کا ایک غالی فرقہ ہے جو عصر اموی میں ظاہر ہوا، اس کے مطابق حضرت علیؓ ہی دراصل نبوت کے حقدار تھے، اور جبرئیلؑ نے غلطی سے اللہ کے رسولؐ پر وحی نازل کر دی، کیوں کہ حضرت علیؓ آپؐ سے بہت مشابہت رکھتے تھے ایسے ہی جیسے ایک کوا دوسرے کوے سے مشابہت رکھتا ہے، کوے کو عربی میں غراب کہتے ہیں، اسی وجہ سے اس جماعت کا نام الغرابیہ پڑا، اس قسم کے شیعہ فرقے غالی فرقے کہلاتے ہیں، اس کے علاوہ کچھ شیعہ فرقے ایسے ہیں جو معتدل فرقے کہلاتے ہیں اور ان کے عقائد میں بہت زیادہ انحراف یا شدت نہیں پائی جاتی ان میں سے کچھ کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

زیدیہ:

یہ اپنے عقائد کے اعتبار سے ایک اعتدال پسند شیعہ فرقہ ہے، ان کے یہاں ائمہ کا درجہ نبی سے بڑھ کر یا نبی کے مساوی نہیں ہے بلکہ نبی کے بعد ہے۔ انھوں نے غالی فرقوں کی طرح صحابہ کرام پر کفر کے فتوے نہیں لگائے، اس فرقے کے امام زید بن علی زین العابدین تھے جو ایک متقی اور صالح انسان تھے، وہ ایک ذی علم انسان تھے۔ اپنے دور کے علماء سے انہوں نے استفادہ بھی کیا تھا، امام زید بن علی نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت کو بھی تسلیم کیا ہے۔

الإمامیہ الاثناعشریہ:

ان کے مطابق ائمہ کی تعیین شریعت میں باقاعدہ طور پر کر دی گئی ہے، حضرت علی سے لے کر محمد بن حسن العسکری تک کل بارہ امام ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ہی اس جماعت کو الامامیہ الاثناعشریہ کہا جاتا ہے، ان کے مطابق شرعی معاملات میں امام کی بات ہی حرف آخر ہوتی ہے۔

الإمامیہ الاسماعیلیہ:

یہ فرقہ دراصل شیعوں کی امامیہ جماعت کی ہی دوسری شاخ ہے، شیعوں کی یہ جماعت ان کے ایک امام اسماعیل بن جعفر الصادق کی طرف منسوب ہے، اثناعشریہ کے مطابق امام جعفر الصادق کے بعد امامت ان کے بیٹے موسیٰ الکاظم کے حصے میں آئی جب کہ اسماعیلیہ کا ماننا ہے کہ امام جعفر الصادق کے بعد امامت ان کے دوسرے صاحبزادے

اسماعیل کے حصے میں آئی، ان کے مطابق امام جعفر نے از خود اپنی وفات سے قبل اس کی وصیت کر دی تھی، بعد کے ادوار میں شیعوں کے یہاں اور بھی دوسرے فرقے وجود میں آئے ،جیسے الحاکمیہ، اور النصیریہ وغیرہ۔

1.4.2 خوارج

خوارج کی جماعت نے چونکہ حضرت علیؓ کے حکم سے خروج کیا تھا یعنی اسے ماننے سے انکار کیا تھا اسی لئے انھیں خوارج کا نام دیا گیا، انھیں الحَرورِیہ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے جو حَروراء نامی مقام کی طرف منسوب ہے جس کی طرف انہوں نے رخ کیا، ان کو شراۃ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے وہ اس لئے کہ یہ لوگ آیت کریمہ ''وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَاء مَرْضَاتِ اللّهِ'' کے مطابق اپنے بارے میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی نفوس کو اللہ کی راہ میں بیچ دیا ہے یا قربان کر دیا ہے، اس لئے وہ شراۃ ہیں، یہ لوگ اپنے آپ کو دین حق پر پوری ثبات قدمی سے قائم واحد دینی جماعت مانتے ہیں۔

یہ دراصل ایک سیاسی جماعت تھی لیکن اس کے بہت سے عقائد وافکار ایسے تھے جن پر اس جماعت کی بنیاد قائم تھی فرقۂ خوارج کا ظہور بھی دراصل فرقۂ شیعہ کی طرح حضرت علی کے عہد خلافت میں ہوا، حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان صفین کی جنگ میں زبردست مقابلہ ہوا، اور حضرت معاویہ کی فوج شکست کے قریب تھی، تبھی ان کے سپاہیوں نے مصحف اپنے ہاتھوں میں اٹھا لئے اور یہ مطالبہ کرنے لگے کہ فیصلہ اب اس قرآن کے ذریعہ سے ہونا چاہئے، حضرت علی چاہتے تھے کہ جنگ اس وقت تک جاری رہے جب تک کہ فتح وشکست کا آخری فیصلہ نہ ہو جائے، کہ اسی بیچ ان کے حامیوں میں سے ایک جماعت نے ان کی مخالفت کی اور ان پر یہ دباؤ ڈالا کہ وہ اس مطالبہ کو قبول کر لیں اور حضرت علی کو نا چاہتے ہوئے بھی اس فیصلہ کو منظور کرنا پڑا۔ پھر یہ طے ہوا کہ ایک ایک حَکَم دونوں طرف سے طے کیا جائے، خارجیوں کی اس جماعت نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو حَکَم بنانے کا مطالبہ کیا جب کہ حضرت علی عبداللہ بن عباس کو حکم بنانا چاہتے تھے، خوارج اپنی ضد پر قائم رہے اور بالآخر انہوں نے حضرت علی کی قیادت سے بغاوت کر دی اور الٹا ان کے خلاف کھڑے ہو گئے، اور ان سے یہ مطالبہ کرنے لگے کہ وہ تحکیم والے مسئلہ پر توبہ کریں کیوں کہ وہ فیصلہ کفر کے موافق تھا۔

یہ فرقہ ایک نہایت متشدد اور جذباتی قسم کا فرقہ تھا، اپنے مذہب اور موقف کے دفاع میں بہت سخت رویہ رکھتا تھا، شرعی معاملات ومسائل کو قرآن وحدیث کے ظاہری معنی ومفہوم کے اعتبار سے طے کرتا تھا، ''لا حکم إلا للہ'' ان کا شعار تھا۔ ایک طرف تو انہوں نے حضرت علیؓ اور ان کے حامیوں کو نشانہ بنایا، تو وہیں دوسری طرف حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور ان اموی خلفاء سے بھی برأت کا اظہار کیا جنھیں وہ ظالم وجابر قرار دیتے تھے۔ ان کی جرأت وبے باکی کا یہ عالم تھا کہ وہ حضرت علی کو دوران خطبہ ٹوک دیتے تھے، بلکہ دوران نماز بھی ان کو ٹوکنے سے باز نہیں آتے تھے، حضرت علی اور حضرت عثمان کے متبعین کو مشرک اور کافر تک کہہ دیتے تھے، حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں ان کی لگام کسنے کی کوشش کی تھی، لیکن ان میں سے جو بچ گئے تھے انہوں نے اپنے عقائد وافکار کو لوگوں میں پھیلا کر اپنے مذہب کو مضبوطی دینے کی کوشش کی۔

خوارج کے حوالے سے ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ ان میں سے اکثر کا تعلق عرب کے بدوؤں سے تھا جو ظہور اسلام کے وقت نہایت خستہ حال تھے اور علوم وفنون سے بالکل نا آشنا تھے، جس کی وجہ سے ان کے اندر موجود جاہلی عادات وصفات پوری طرح سے ختم نہ ہو سکی تھیں، اور اس کا اثر ان کے افکار وعقائد میں بھی نظر آتا تھا، مثلاً وہ اپنے ارادے کے بہت پکے ہوا کرتے تھے، اور اپنے عقائد وافکار کے تئیں بہت مخلص اور راسخ العقیدہ ہوتے تھے، اسی طرح بہت جری وبے باک اور نہایت بہادر ہوا کرتے تھے، اور ان کے مزاج میں خشونت اور سختی تھی، ان کے عقائد وافکار میں سے کچھ کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے:۔

(۱) خلیفہ کا تعین ایک آزادانہ اور غیر جانب دارانہ انتخاب کے ذریعہ ہی ہونا چاہئے اور مسلمانوں کی اکثریت مل کر طے کرے کہ کس کو خلیفہ بننا چاہئے، نہ تو وہ اس بات کے قائل تھے کہ خلافت صرف قریش یا اہل بیت کا حق ہے اور نہ ہی اس بات کے کہ یہ صرف عربوں کا حق ہے عجمیوں کا نہیں۔

(۲) خوارج کے بنیادی عقائد میں سے ایک یہ ہے کہ گناہوں کا مرتکب بھی کافر ہوگا اپنے اس عقیدہ کو قرآنی آیات کی غلط تفسیر کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے ،مثلاً قرآنی آیت ہے کہ'' وَلِلّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ الله غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ''

(ترجمہ: لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے)

کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تارک حج کو کافر قرار دیا ہے، اس لئے مرتکبین گناہ کبیرہ بھی کافروں میں شمار کیے جائیں گے، اسی طرح ایک دوسری آیت قرآنی پیش کرتے ہیں ''وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ''

(ترجمہ: جولوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں) کہتے ہیں کہ گناہوں کا مرتکب اللہ کے حکم کے خلاف اپنی ذات کے لئے فیصلہ کرتا ہے لٰہذاوہ کافر قرار دیا گیا ہے۔

خوارج کے حوالے سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وہ نہایت فصیح و بلیغ ہوا کرتے تھے، خطابت میں بے انتہا ماہر ہوا کرتے تھے، تاریخ وادب کی کتابوں میں ان کی فصاحت و بلاغت کے نمونے بکثرت موجود ہیں، فصاحت و بلاغت کے علاوہ علوم شرعیہ پر بھی انہیں بہت دسترس حاصل تھی، قرآن وحدیث کا گہرا علم رکھتے تھے، فقہی مسائل پر بھی ان کی مضبوط پکڑتھی، بحث ومباحثہ میں بھی ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، بہت قوی الحجہ ہوا کرتے تھے، کہا جاتا ہے کہ بحث ومباحثہ کے دوران اگر اپنا پہلو کمزور لگتا تھا تو حدیثیں گڑھ کر انھیں اللہ کے رسول کی طرف منسوب بھی کر دیتے تھے، قرآن وحدیث کے ظاہری حکم کو مانتے تھے، قرآنی آیات اور احادیث رسول کے اصل معنی ومفہوم، اس کے سیاق وسبق اور اس کے اغراض ومقاصد کو تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ ہر مسئلہ میں ظاہر پر ہی حکم لگاتے تھے۔

خوارج کے کئی فرقے اموی دور میں ظاہر ہوئے، کچھ کا مختصر تعارف یہاں پیش کیا جاتا ہے:

(۱) الأزارقہ: یہ نافع بن ازرق کے متبعین تھے، خوارج کی اکثریت کا تعلق اسی جماعت سے تھا، عبداللہ بن زبیر اور بنوامیہ کا مقابلہ خوارج کی اسی جماعت سے سب سے پہلے ہوا، نافع نے تقریباً نو سال تک اپنے ان حریفوں سے جنگ لڑی ان کے بنیادی عقائد میں نمایاں یہ ہیں کہ یہ اپنے مخالفین کو غیر مسلم مانتے تھے بلکہ ان کے مطابق ان کا دائمی ٹھکانہ جہنم ہے اور ان سے قتال جائز ہے، یہ لوگ رجم کی سزا کو نہیں مانتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ زانی اور زانیہ کو صرف کوڑوں سے مارا جانا چاہئے، کیوں کہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں ہے اور ان کے نزدیک یہ حدیث سے بھی ثابت نہیں ہے، ان کے مطابق انبیاء کرام کبائر وصغائر گناہوں کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔

(۲) النجدات: یہ نجدہ بن عویمر کے متبعین ہیں، ان کے عقائد بھی ازارقہ سے ملتے جلتے ہیں، البتہ انہوں نے تقیہ کا نیا عقیدہ پیش کیا وہ یہ کہ ایک خارجی مصلحتاً اپنے عقیدے کو پردۂ خفا میں رکھے، جب تک کہ اس کو ظاہر کرنے کا مناسب وقت نہ آجائے۔

(۳) صفریہ: یہ زیاد بن اصفر کے متبعین تھے، ان کے اور ازارقہ کے عقائد میں معمولی سا فرق ہے۔

(۴) عجاردہ: یہ عبدالکریم بن اجرد کے متبعین تھے۔ قضاء وقدر کے مسائل میں ان کے کچھ خاص عقائد ہیں۔

(۵) الاباضیہ: یہ عبداللہ بن اباض کے متبعین تھے، یہ خوارج دوسرے فرقوں کے بمقابل اپنے عقائد میں زیادہ معتدل تھے، ان کے یہاں غلو اور تشدد نسبتاً کم پایا جاتا تھا، اسی لئے جہاں دوسرے خارجی فرقے آہستہ آہستہ رو بہ زوال ہو گئے، یہ فرقہ باقی رہا اور کئی بڑے علماء اس جماعت میں پیدا ہوئے، یہ اپنے مسلم مخالفین کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں مانتے تھے، ایسے ہی ان کے قتل کو جائز نہیں ٹھہراتے تھے، اور ان کی شہادت اور ان کے ساتھ مناکحت کو درست مانتے تھے۔

1.4.3 معتزلہ

معتزلہ کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں مؤرخین نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ اس جماعت کا سردار واصل بن عطا (وفات ۱۳۱ھ) تھا جو اس دور کے مشہور اہل منطق میں شمار کیا جاتا تھا اور حضرت حسن بصری کی مجلس میں ان کا درس سننے کے لئے بیٹھا کرتا تھا، حضرت حسن بصری کی مجلس میں ایک بار گناہ کبیرہ کے مرتکب کے بارے میں اختلاف واقع ہو گیا، اس مجلس میں موجود خوارج کے علماء کی رائے تھی کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر قرار دیا جائے گا جب کہ علماء کی ایک دوسری جماعت نے کہا کہ نہیں وہ مومن ہی قرار دیا جائے البتہ وہ اس گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے فاسق ہو جائے گا، اس مجلس میں واصل بن عطاء بھی موجود تھا اور اس نے ان دونوں جماعتوں سے مختلف اپنی یہ رائے پیش کی کہ مرتکب کبائر نہ تو کافر قرار دیا جائے گا اور نہ ہی مومن بلکہ وہ ان دونوں مرتبوں کے بیچ میں ایک تیسرے مرتبے میں شمار کیا جائے گا۔ اس کی اس مختلف رائے کی وجہ سے حضرت حسن بصری نے اسے اپنی مجلس سے باہر نکال دیا، چنانچہ واصل بن عطاء نے اپنی الگ علمی مجلس قائم کر لی اور لوگوں کو اپنے عقائد وافکار بتانے لگا چونکہ عربی میں اعتزل کے معنی علیحدگی اختیار کرنے کے آتے ہیں، اور واصل نے بھی حضرت حسن بصری سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اس لئے وہ اور اس کے متبعین معتزلہ کہلائے، واصل بن عطاء کی پیدائش مدینہ میں ہوئی تھی اور نشو ونما بصرہ میں ہوئی تھی، اس کا شمار اس دور کے اہل علم میں ہوتا تھا، اس نے کئی کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جن میں "المنزلة بين المنزلتين" معانی القرآن، طبقات اہل العلم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

معتزلہ دراصل وہ مذہبی جماعت ہے جس نے عقل کو اصول وادلہ پر ترجیح دی، بطور خاص عصر عباسی میں اس جماعت کا کافی اثر دیکھنے کو ملتا ہے، بعض مؤرخین کے مطابق معتزلہ کی شروعات واصل بن عطاء سے پہلے ہو چکی تھی، بلکہ بعض معتزلہ تو صحابہ وتابعین میں سے بھی بعض کو معتزلی العقیدہ قرار دیتے ہیں، معتزلہ کے بھی کئی فرقے سامنے آئے، واصل بن عطاء کے متبعین کو واصلیہ کے نام سے جانا جاتا ہے

واصل کے علاوہ جو مشہور علماء وادباء اس جماعت سے منسلک رہے ان میں محمد بن الھذیل العلاف، ابراہیم بن سیار النظام، عمرو بن بحر الجاحظ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔
معتزلہ کے مطابق عقل کا درجہ قرآن وحدیث کے بعد نہیں آتا بلکہ اس سے پہلے آتا ہے، ان کا ماننا ہے کہ عقل کے ذریعہ ہی قرآن وحدیث کے اسرار ورموز کو سمجھنا ممکن ہے۔

اپنے اس عقیدے کی بنیاد پر انہوں نے بہت سی متواتر احادیث کو بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا، عقائد کے باب میں ان کے کچھ خاص افکار وخیالات تھے جن میں سے بہت سے اہل سنت والجماعۃ کے عقائد سے متضاد تھے، مثال کے طور پر یہ کہ وہ اللہ کی ذات کے لئے صفات کا انکار کرتے ہیں، قرآن کو مخلوق مانتے ہیں، قیامت کے روز اللہ کے دیدار کا انکار کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

1.5 خلاصہ

اس پوری بحث سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پورا دور سیاسی افراتفری کا دور تھا، پہلے اموی خلیفہ حضرت معاویہ کی سیاسی پالیسی اموی خلافت کو مستحکم کرنے میں بہت اہم اور کارگر ثابت ہوئی، ان کے یہاں ہمیں اعتدال بھی نظر آتا ہے اور اتحاد واتفاق اور امن وامان قائم کرنے کی سعی وکوشش بھی صاف دکھائی دیتی ہے، وہیں فتوحات کا سلسلہ بھی ان کے عہد میں کافی آگے بڑھا، لیکن ان کے جانشین یزید کے یہاں ہمیں شدت اور سختی نظر آتی ہے، حضرت حسین تک کو بخشا نہیں جاتا ہے، لوگوں میں خوف ودہشت کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے، اور اسی وجہ سے خلافت بنوامیہ کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے، اگر مروان بن حکم نے اپنی حکمت عملی سے حالات کو قابو میں نہ کیا ہوتا تو شاید یہ خلافت تبھی ختم ہو چکی ہوتی، لیکن عبدالملک بن مروان اور الولید بن عبدالملک کا عہد خلافت نسبتاً بہتر ثابت ہوا، فتنوں کو فرو کیا گیا اور رعایا کی فلاح وبہبود کی طرف توجہ دی گئی، خلافت کے آخری ایام میں جو خلیفہ آئے وہ نہایت نااہل اور غیر ذمہ دار ثابت ہوئے جس کی وجہ سے خلافت بہت کمزور ہو گئی اور بالآخر ۱۳۲ھ میں اس کا خاتمہ ہو گیا، اس دوران عبداللہ بن زبیر، شیعہ اور خوارج کے بھی اس عہد کے سیاسی منظرنامے پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے، لیکن بنوامیہ کی فوجی اور سیاسی طاقت کے سامنے یہ سیاسی جماعتیں ٹک نہ سکیں اور بالآخر یکے بعد دیگرے امویوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئیں۔
اگر اس عہد کے دینی حالات کی بات کریں تو جیسا کہ ہم اس اکائی کے تحت دیکھا کہ کئی مذہبی جماعتیں اس عہد میں رونما ہوئیں، جنہوں نے اپنے اپنے انداز میں اپنے عقائد وافکار کی ترویج واشاعت کی، ان جماعتوں میں اختلافات کا عکس ہمیں اس دور کی خطابت اور خطوط نویسی میں بھی صاف نظر آتا ہے، اس عہد کی شاعری میں بھی ان اختلافات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ہم نے گزشتہ صفحات میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا وہ بہترین دور دیکھا جو اپنے دینی رجحان کی وجہ سے ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔

1.6 نمونے کے امتحانی سوالات

(۱) اموی خلافت کا قیام کس طرح عمل میں آیا اس پر روشنی ڈالئے۔
(۲) بنوامیہ کی اپنے مخالفین کے تئیں کیا سیاسی پالیسی رہی اس کا جائزہ لیجئے۔
(۳) اموی دور کی مختلف سیاسی جماعتوں جیسے عبداللہ بن زبیر کی جماعت، شیعہ اور خوارج وغیرہ کی سیاسی سرگرمیوں پر ایک نوٹ لکھئے۔
(۴) عصر اموی میں جن اہم دینی جماعتوں کا ظہور ہوا ان کا مختصر تعارف کرائیے۔
(۵) عصر اموی کے دینی حالات پر ایک سرسری نظر ڈالئے۔

1.7 فرہنگ

السبئیۃ: عبداللہ بن سبأ کی طرف منسوب شیعوں کا ایک فرقہ۔
الغرابیۃ: شیعوں کا ایک غالی فرقہ جو عصر اموی میں رونما ہوا۔
الزیدیۃ: شیعوں کا ایک معتدل فرقہ جس کی نسبت امام زید بن علی زین العابدین کی طرف ہے

الأزارقۃ: خوارج کا ایک فرقہ جو نافع بن ازرق کے متبعین پر مشتمل تھا۔

المعتزلۃ: عصر اموی میں ظاہر ہونے والی ایک دینی جماعت جس کے اپنے مخصوص عقائد تھے، اس کی بنیاد واصل بن عطا نے ڈالی تھی۔

المنزلۃ بین المنزلین: مرتکب کبائر کے سلسلے میں معتزلہ کا ایک خاص عقیدہ

1.8 مطالعہ کے لئے معاون کتابیں

ا۔ تاریخ الادب العربی۔العصر الاسلامی شوقی ضیف

۲۔ التاریخ الاسلامی محمود شاکر

۳۔ الملل والنحل ابوالفتح محمد الشہرستانی

۴۔ تاریخ الدولۃ الامویۃ محمد سہیل طقوس

۵۔ فی التاریخ الاسلامی شوقی ابوخلیل

۶۔ تاریخ عربی ادب ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی

(https://archive.org/details/TareekhEArabiAdab/page/n3)